طاہرہ اقبال کے ناولوں میں ثقافتی اقدار

Cultural values in Tahira Iqbal's novels

محمد تیمور* / ڈاکٹر حمیرا اشفاق**

Abstract:

In the novels of Tahira Iqbal, the cultural, civilized, religious and ritualistic values have been reflected in a very vivid manner. she has skillfully present the social, cultural and religious elements the subject of novels by keeping the two specific regions of Punjab, Pathovar and Neely Bar. For her, the reflection of these values is more the religion of the experience that they her selves have gone through while living in this society than imagination. Her novels present excellent view of Punjab's civilization, culture and social values. In this paper, the cultural values presented in Tahira Iqbal's novels have been examined.

طاہرہ اقبال کے ناولوں میں ثقافتی، تہذیبی، مذہبی اور سماجی اقدار کی عکاسی بڑے جاندار انداز میں ہوئی ہے۔ انھوں نے پنجاب کے دو مخصوص خطوں پوٹھوہار اور نیلی بار کو سامنے رکھتے ہوئے سماجی، ثقافتی اور مذہبی عناصر کو بڑی مہارت سے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے ہاں ان اقدار کی عکاسی تخیل سے زیادہ اس تجربے کی دین ہے جس سے اس سماج کے اندر رہتے ہوئے وہ خود گزری ہیں۔ ان کے ناول پنجاب کی تہذیب و ثقافت اور سماجی اقدار کے عمدہ مرقعے پیش کرتے ہیں۔

ثقافت کا مادہ ث ق ف (ثقف) ہے اور اس کا مطلب ہوتا ہے دانائی، زیرکی یا کسی کام کے کرنے میں صداقت اور مہارت کا ہونا۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے ساتھ عام طور پر "تہذیب" کا لفظ استعمال کیا جاتا

* وزیٹنگ لیکچرار وفاقی اردو یونی ورسٹی، اسلام آباد

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

ہے۔ اگر الفظ کے مادے پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ لفظ بھی مہارت اور صداقت کے قریب قریب معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تہذیب کا مادہ ھَذَبَ ہے جس کا لغوی مطلب درخت تراشنا، کاٹنا اور اصلاح کرنا کے ہیں۔[۱] مصباح اللغات میں اس کا مطلب پاکیزہ کرنا اور درست کرنا بھی لکھا ہے۔[۲] یوں دیکھا جائے تو ثقافت اور تہذیب ایک دوسرے کے قریب قریب مفہوم کے حامل الفاظ ہیں۔ جہاں ثقافت کا مفہوم انسان کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں پر محیط نظر آتا ہے وہیں تہذیب انسان کے اطوار و عادات کی شائستگی اور پاکیزگی کو ظاہر کرتی ہے اور یہ دونوں مل کر ایک ایسے انسان کو سامنے لاتے ہیں جو آدابِ معاشرت کے ساتھ ساتھ علوم و فنون میں بھی خاص مہارت رکھنے والا ہو۔ ثقافت انسان کو دوسرے انسانوں کے قریب کرنے اور ایک دوسرے سے سیکھنے کے مواقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو سماج سے ہم آہنگ ہونے میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔

انسان سماج سے کٹ کر نہ تو خود کسی قابل رہ سکتا ہے اور نہ ہی وہ زندگی کے ارتقائی مراحل احسن طریقے سے طے کر سکتا ہے اسے زندگی گزارنے کے لیے ہر لمحے سماج سے تعلق رکھنا ضروری ہوتا ہے بصورت دیگر وہ ایک ایسی اکائی بنا رہے گا جسے دوسروں کے ساتھ مل کر اجتماعیت سے ہمکنار ہونا نصیب نہ ہو گا اور بہت جلد وہ اپنا وجود کھو دے گا۔ یوں جب انسان سماج کے باقی عناصر سے تعلقات بڑھاتا ہے تو پھر انسان اور سماج لازم ملزوم بنتے چلے جاتے ہیں، انسان سماج سے اور سماج انسان سے فوائد حاصل کرنے لگتا ہے، سماج کے باقی عناصر کے ساتھ ملکر ایک باہمی مشترکہ ثقافت وجود میں آتی چلی جاتی ہے جو انسان کو معاشرے اور اس میں پروان چڑھنے والی اس ثقافت کا ایک اہم عنصر بنا دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یو کہا جا سکتا ہے کہ ثقافت کی تشکیل کسی ماورائی دنیا میں نہیں ہوتی بلکہ کسی بھی سماج کے مختلف افراد اور دیگر عناصر مل کر اس کی تشکیل کرتے ہیں۔ یوں تہذیب اور ثقافت ارتقائی مراحل طے کرتی چلی جاتی ہیں۔ تہذیب اور ثقافت دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی ان دونوں کو ملا کر کلچر کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کلچر کا لفظ استعمال کرنے کا جواز یوں پیش کرتے ہیں:

> ”میں نے لفظ ثقافت اور تہذیب کے معانی یکجا کر کے ان کے لیے ایک لفظ کلچر استعمال کیا ہے جس میں تہذیب اور ثقافت دونوں کے مفاہیم شامل ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ کلچر ایک ایسا لفظ ہے جو زندگی کی ساری سرگرمیوں کو خواہ وہ ذہنی ہوں یا مساوی خارجی ہوں یا داخلی احاطہ کر لیتا ہے۔“[۳]

ثقافت، تہذیب اور کلچر کے مفہوم میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت وسعت بھی پیدا ہوتی گئی۔ ۱۸ویں صدی تک آتے آتے مغربی مصنفین اسے زیادہ وسیع اور معین معنوں میں استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔

ان کے ہاں اب کلچر سے مراد دل و دماغ اور ذوقِ نظر کی تہذیب تھی۔ وہ تعلیم کے توسط سے ذہنی نشوونما، ترقی اور بہتری کے ساتھ ساتھ عادات وخصائل کی نفاست کے حصول کو بھی تہذیب کے دائرہ کار میں شامل کرنے لگتے ہیں:

> "The cultivating or development of the mind(Faculties and mannars) improvement or refirement by education..the intallectual side of civilization."(4)

اس بیان کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کلچر میں انسان کی مادی و ذہنی اور علمی ترقی کا وسیع تر مفہوم پایا جاتا ہے یوں کلچر کا مفہوم ثقافت کے مفہوم کے قریب تر ہے کیوں کہ یہ انداز و اطوار میں شائستگی، سلیقہ اور زیرکی و دانائی کا ہی مرہون منت ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مفاہیم اور مطالب میں وسعت اور تبدیلی پیدا ہوتی رہی ہے لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ ان میں تہذیب وتربیت اور اکتساب و تحصیل کا تعلق فرد کے اعمال سے ہی ہے۔

ثقافت کے مفہوم کو واضح کرنے اور اسے وسعت بخشنے میں اہم کردار اے۔بی ٹیلر کا بھی ہے۔ اے۔بی ٹیلر نے اپنی کتاب Primitive culture میں ثقافت کے مفہوم پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اے۔بی ٹیلر کے خیال میں "ثقافت، علوم وفنون، عقائد ورسوم، اخلاقیات، قوانین، عادات واطوار سے مملو وہ اسلوبِ حیات ہے جس کا اکتساب انسان معاشرے کے فرد کی حیثیت سے کرتا ہے۔"(۵)

ٹیلر کے اس بیان میں ایک بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ٹیلر نے ثقافت کے مفہوم کو فرد کی داخلی تہذیب کے محدود معنوں سے نکال کر ایک قوم یا طبقے کی وسیع تر مجلسی زندگی پر پھیلا دیا ہے۔ ٹیلر نے عادات واطوار اور رسوم کے سیکھنے کے عمل کو انسان کا انفرادی نہیں بلکہ معاشرتی عمل قرار دیا ہے یوں ان عادات واطوار کے نتیجے میں سامنے آنے والے رویے جو ثقافتی رویے ہوں گے وہ بھی انفرادیت کی بجائے اجتماعیت اور فرد کی بجائے معاشرے کی ترجمانی کرنے اور معاشرے کی پہچان بن کر ابھرنے والے ہوں گے۔ ٹیلر کے مفہوم سے ملتے جلتے خیالات ہمیں کلائیڈ کلخوٹن (Clyde Kluckhotan) کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ اس کے خیال میں "یہ وہ نظامِ حیات ہے جو ایک گروپ کے لوگوں میں نظامِ اقدار کی شکل میں مشترک طور پر موجود ہوتا ہے۔"(۶)

ثقافت کو لوگوں کے مشترکہ انداز واطوار اور روئیوں کا نام دینے کے حوالے سے فلپ بیگ بائی (Philip Bag By) کی رائے بھی خاصا وزن رکھتی ہے۔ فلپ بیگ بائی کے خیال میں:

> "ثقافت کسی اجتماع کے بیشتر افراد کے ان متواتر روئیوں کا نام ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے

نسلی اور جبلی نہیں ہوتے بلکہ کسی اجتماع نے خاص ماحول میں مخصوص عقائد وافکار اور دوسرے اثرات کے تحت اپنے اندر پیدا کر لیے ہوتے ہیں۔اور ان میں یک رنگی پائی جاتی ہے۔"(۷)

فلپ بیگ بائی کی اس رائے سے دو اہم باتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ایک تو یہ کہ ثقافت معاشرے کے اجتماعی رویوں کا نام ہے ان رویوں کی تشکیل میں فرد کی بجائے پورا معاشرہ شامل ہوتا ہے۔فرد کی حیثیت اس میں گروہ کی ایک ایسی اکائی کی ہوتی ہے جو اپنا وجود منوانے کے لیے معاشرے یا گروہ کا محتاج ہوتا ہے دوسری بات یہ کہ ثقافت معاشرے کے انداز واطوار سے ہی جنم لیتی ہے۔یہ کسی کو وراثت میں نہیں ملتی اسی وجہ سے یہ نسلی یا جبلی نہیں ہو سکتی۔معاشرے کے مختلف افراد کے رویئے اور انداز و اطوار جب اس طرح ایک دوسرے ے مل کر سامنے آتے ہیں کہ ان میں انفرادیت کی بجائے ایک یک رنگی سامنے آتی ہے تو ثقافت تشکیل پاتی ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ثقافت افراد معاشرہ کے اجتماعی انداز و اطوار اور رویوں سے تشکیل پاتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس تشکیل کے پیچھے فرد کی ذات ہی کار فرما ہوتی ہے۔یوں کہا جاسکتا ہے فرد ہی ثقافت کی اکائی ہوتا ہے۔جیسا کہ ڈاکٹر ایس ایم یوسف اپنے مضمون Some aspect of Islamic Culture میں لکھتے ہیں:

"ثقافت اساسی طور پر ایک ذہنی رویہ ہے نفس و آفاق کے بارے میں یہ انسان کی اپنی ایک سوچ کا نام ہے۔خوشیوں اور دکھوں کے بارے میں ایک مخصوص تصور کی شکل ہے یہ اس کی اپنی خوش بختی یا بد بختی کے بارے میں رد عمل ہے اور روزمرہ کے پیش آنے والے واقعات کے درمیان ایک سلیقہ مندی سے گزر کرنے کا کام ہے۔رویوں کی یہ ساری انسانی جہتیں بعض بنیادی اقدار کے شعور سے پھوٹتی ہیں۔"(۸)

ان تمام تعریفوں کے جائزے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ثقافت دراصل انسانی رویہ اور انداز و اطوار کا نام ہے اور اس کی تشکیل کا عمل فرد کی سلیقہ مندی اور شعور سے شروع ہوتا ہے اور معاشرے کے اجتماعی انداز واطوار میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔یوں تشکیل پانے والی ثقافت میں اس معاشرے کے اجتماعی رویوں کی عکاسی ہوتی ہے اور یہی اجتماعی رویئے اس معاشرے کی پہچان بن کر سامنے آتے ہیں۔کوئی بھی رویہ یا طرز عمل جب تک ایک فرد کی ذات تک محدود رہے گا تب تک وہ ثقافت یا کلچر کے ذمرے میں داخل نہیں ہو پائے گا۔یہی وجہ ہے کہ ایک معاشرے کے مختلف افراد کے مختلف انفرادی رویے اور طرز عمل ثقافت نہیں بن پاتے بلکہ جس رویے یا انداز

کو معاشرے کے افراد مشترکہ طور پر اس طرح اختیار کرتے ہیں کہ وہ رویہ یا انداز کسی ایک فرد کی پہچان یا شناخت بننے کی بجائے معاشرے کی مجموعی شناخت بن کر ابھرتا ہے تو وہی رویہ ثقافتی رویہ کہلائے گا۔اس کی تشکیل میں مذہب اور دیگر بہت سے عناصر بھی کارفرما ہوتے ہیں۔مذہب، معیشت اور عقائد و افکار معاشرے کے بنیادی اداروں کی حیثیت سے معیارات کی تشکیل کرتے ہیں اور یہ رویئے اور طرز عمل کسی بھی ثقافت کی اصل قوت ہوتے ہیں۔انھی رویوں سے معاشرے کی مختلف رسوم جنم لیتی ہیں جو کسی معاشرے کی ثقافتی شناخت بن جاتی ہیں۔شادی بیاہ کی رسوم، آرسی مصحف، مہندی، چوتھی ولیمہ وغیرہ ایک معاشرے کے مخصوص ثقافتی اوصاف بن کر اس معاشرے کی پہچان بن جاتے ہیں۔

اردو ناول کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناول نگاروں نے ثقافتی مظاہر کو بھی بڑی مہارت سے ناول کا موضوع بنایا ہے۔ جس ناول میں جس خطے کی کہانی بیان کی گئی ہے، اس خطے کے سماج اور مذہب کے ساتھ ساتھ تہذیب و ثقافت بھی سامنے لانے کی کوشش ملتی ہے۔ اردو میں بہت سے ایسے ناول بھی لکھے گئے ہیں جن میں پنجاب کی ثقافت کو بھرپور انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ایسے ناول نگار جن کا تعلق پنجاب کی دھرتی سے ان کے ناولوں میں پنجابی ثقافت کے رنگ جھلکتے دکھائی دیتے ہیں۔ انھی ناولوں نگاروں میں طاہرہ اقبال کا نام بھی نمایاں ہے۔ طاہرہ اقبال نے اپنے ناولوں گراں اور نیلی بار میں پنجاب کے ان خطوں کی ثقافتی اور تہذیبی اقدار کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔

پنجابی ثقافت رنگا رنگ گلدستے کی مانند ہے۔ اس دھرتی کے ثقافتی رنگوں میں خاصا تنوع پایا جاتا ہے۔ ملبوسات ہوں یا تہوار، خوشی ہو یا غمی ہر جگہ پنجاب کے ثقافتی رنگ نکھرتے نظر آتے ہیں۔ طاہرہ اقبال نے ان رنگوں کو کشید کرنے میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ پنجابی ملبوسات جو کہ پنجابی ثقافت کا اہم عنصر ہیں، طاہرہ اقبال نے ان کی عکاسی ناولوں میں اس طرح کی ہے کہ پنجابی ثقافت جھلکنے لگتی ہے۔ وہ ناول گراں میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

> ”فاطمہ نے میلے کپڑوں کی پنڈ سفید دوسوتی چادر میں باندھی، جس کے کناروں پر چپہ چپہ کروشیے کی جھالر لٹکتی تھی اور پوری چادر میں دس پھول کڑھے تھے۔ سبز پتیوں اور گلابی پنکھڑیوں والے گلاب کے پھول۔“(۹)

پنجابی ثقافت کے رنگ دیہات میں زیادہ کھل کر سامنے آتے ہیں۔ خاص طور وہ گھرانے جو مالی حوالے سے زیادہ آسودہ نہیں ہیں ان کے ہاں اس جدید عہد میں بھی پنجابی ثقافت کے قدیم رنگ نکھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گھروں میں عورتیں نہ صرف گھر کے کام کاج نپٹاتی ہیں بلکہ مردوں کے ساتھ مختلف کاموں میں ہاتھ بھی بٹاتی ہیں۔

اس کے علاوہ گھروں کے بنانے سنوارنے میں بھی جوش وخروش سے حصہ لیتی ہیں۔ طاہرہ اقبال اس ثقافتی رنگ کو نمایاں کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''عورتیں پشمینے کی چادریں لپیٹے جانوروں کے کوٹھے صاف کرتیں۔ گھروں میں بھر آیا بارش کا پانی جھاڑو جھاڑو مار باہر نکالتیں۔ ہاتھوں پیروں کی پوریں لال نیلی ٹھٹھر کر گل جاتیں۔ باجرہ، مکئی کوٹتیں، چکیاں پیستیں، کانگڑیاں او رانگیٹھیاں دہنکاتیں، سوں سوں ناک سڑ نکتیں، اذانوں کے وقت چائے کے دیگچے چڑھاتیں۔ پراٹھے پکاتیں۔''(۱۰)

پنجابی ثقافت کے رنگ اس وقت زیادہ نکھر کر سامنے آتے ہیں جب فصلوں کی کٹائی کا موسم ہوتا ہے۔ خاص طور پر گندم کی کٹائی کے وقت ثقافتی رنگ دیکھنے کی چیز ہوتے ہیں۔ روایتی بھائی چارے کے ساتھ ساتھ ثقافتی رنگ بکھیرتا گندم کی گاہی کا عمل اس دور کی یاد دلاتا ہے جب تھریشر کی بجائے بیلوں سے گاہی کی جاتی تھی۔ اس عمل میں علاقے بھر کے کسان ایک دوسرے کی مدد کو آگے بڑھتے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ سارا علاقہ ایک ہی کنبہ ہے اور ساری فصلیں سانجھی ہیں۔ طاہرہ اقبال نے اس ثقافتی مظہر کی عکاسی ناول گراں میں یوں کی ہے:

''ان دنوں گندم کی گاہی ہو رہی تھی۔ سجے ہوئے جیوٹ اور پنجالیوں والے بیلوں کی جوڑیاں اکٹھی ہوئی تھیں۔ موہڑے۔۔۔ گوڑھے، تھلے، بگے، پرتھے، کرپال، پھڈے بیسوؤں گراؤں سے بہترین بیل آئے تھے اور ڈھول اور گھنگھروؤں کی آواز پر پڑ (کھلیان) گھاہ رہے تھے۔ بزرگ سروں پر مشہدی لنگیاں اور قراقلی ٹوپیاں جمائے پھلاہیوں دھریکوں کی چھاؤں میں بیٹھے بیلوں اور نوجوانوں کو ہلاشیری دیتے تھے۔''(۱۱)

طاہرہ اقبال کا ناول گراں پنجابی ثقافت کے حوالے سے رشتے ناتوں کی رسومات اور ان سے وابستہ جذبات کی بھی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ پنجابی سماج میں کسی کا رشتہ طے ہونے کے بعد انگوٹھی پہنانے کی رسم کی جاتی ہے۔ یہ انگوٹھی اس امر کی نشانی ہوتی ہے کہ جس کے نام کی انگوٹھی لڑکی نے پہنی ہے، اب ساری زندگی اسی کی ہو کر رہنا ہے۔ گاؤں کی لڑکیوں کو یہ انگوٹھی کس قدر پیاری ہوتی ہے اور اس ایک انگوٹھی کے ساتھ ان کے کتنے جذبات اور احساسات وابستہ ہوتے ہیں، طاہرہ اقبال اس کی عکاسی یوں کرتی ہیں:

''پھر انگلیوں میں پڑی منگنی کی چھاپ (انگوٹھی) کو چوے (چشمے) کے پانی سے مل مل کے دھوتیں۔ جس لڑکی کی انگلی میں یہ چھاپ نہیں بھی تھی وہ بھی دل میں ایک چھاپ بسائے ہوئے تھی۔ سب جانتی تھیں کہ پھپھیرے، ممیرے، مسیرے بھائیوں میں سے جن کا جوڑ

بنتا تھا انھی کے نام کی چھاپ سارے وجود میں گڑھی تھی۔"(۱۲)

لطیف جذبات صرف انگوٹھیوں تک ہی محدود نہیں ہوتیں بلکہ شادی سے قبل ہی یہ لڑکیاں اپنے ہونے والے شوہروں کو دل میں بسائے ان کی خاطر مدارت اور ان کی خواہشات کے احترام کا سامان کرتی نظر آتی ہیں۔ اس احترام کے جذبے سے بھی پنجابی ثقافتی رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ طاہرہ اقبال ان لطیف جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"رات کو لڑکیاں لالٹیں اور لیمپ کی روشنی میں اپنے منگیتروں، چچیرے، پھپھیرے، ممیرے، مسیرے بھائیوں کے نام کے سویٹر بنتیں۔ جتنے مشکل نمونے ڈالتیں شاید محبت بھی اتنی گوڑھی ہوتی۔ ادھر پنڈی سے گوجر خان، چکوال، اٹک تک سے کالے پھڈے والے سکول کی استانیاں نئے نئے نمونے لاتیں، جو ہاتھوں ہاتھ ساری دنیا سے الگ تھلگ اونچی پہاڑی پر ٹنگے اس گراں تک بھی پہنچ جاتے۔"(۱۳)

طاہرہ اقبال کا ناول نیلی بار بھی پنجابی کی ثقافتی اور تہذیبی اقدار کی عکاسی کے حوالے سے اہم ناول ہے۔ انھوں نے اس ناول میں پنجاب کی ثقافت، تہذیب، لوگوں کے ثقافتی رویے، خاص طور پر نیلی بار کے علاقے کے لوگوں کی زندگیوں میں تہذیبی و ثقافتی عناصر کا عمل دخل، ان سب چیزوں کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ایک بڑا ناول نگار نہ صرف اپنے ناول کی کہانی کو آگے بڑھاتا ہے بلکہ وہ خطہ اور وہ کردار جو اس کے ناول کی کہانی میں چل رہے ہوتے ہیں ان کی تہذیب و ثقافت سے بھی آشنائی دلاتا ہے۔ اس حوالے سے طاہرہ اقبال ایک کامیاب ناول نگار کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ ان کی اپنے سماج اور سماج کے لوگوں کی زندگیوں کے مشاغل پر گہری نظر ہے۔ وہ معاشرے کی گہرائی میں اتر کر اس کی تہذیب و ثقافت سے متعلقہ عناصر کو تلاش کرتی ہیں اور سامنے لاتی ہیں۔ تہذیب و ثقافت کی عکاسی کے حوالے سے ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ اگر ناول نگار خود اسی سماج کا حصہ ہو جس کی کہانی ناول میں بیان کی جا رہی ہے تو اس نے ان ثقافتی مظاہر کا بذات خود تجربہ کیا ہوتا ہے۔ وہ ان کا حصہ بن چکا ہوتا ہے، یوں وہ احساسات اور جذبات اور جو ان ثقافتی مظاہر سے پیدا ہوتے ہیں، ناول نگار ان کی بھی بہترین عکاسی کر سکتا ہے۔ طاہرہ اقبال کے ہاں بھی یہی روش ملتی ہے۔ انھوں نے جس سماج کی ثقافتی اقدار کو ناول کا حصہ بنایا ہے، وہ خود اس سماج کا حصہ ہیں، انھوں نے ان تمام ثقافتی مظاہر کا خود تجربہ کیا ہے جو اس خطے کے لوگوں کا طرہ امتیاز ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نیلی بار سے باہر باقی پنجاب کی ثقافت کا بھی وہ براہ راست یا بالواسطہ حصہ ہونے کی وجہ سے پنجابی ثقافت کے جملہ امور سے گہری واقفیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیلی بار میں ہمیں پنجابی ثقافت جگہ جگہ جھلکتی

دکھائی دیتی ہے۔ لوگوں کا لباس، رسم ورواج، میلے ٹھیلے، مذہبی تہوار، گیت، کھانے اور دیگر ثقافتی عناصر اس ناول میں بھی واضح انداز میں سامنے آتے ہیں۔

پنجابی ثقافت کا اہم عنصر شادی بیاہ کی رسومات ہیں۔ شادی بیاہ کے وقت ثقافتی عناصر بھرپور انداز میں اپنا اظہار کرتے ہیں۔ ایک عرصہ تک پنجاب کے خطے میں ہندو، سکھ اور دیگر اقوام کے بسنے کی وجہ سے اس خطے میں شادی کی اسلامی روایات کے ساتھ ساتھ ان دیگر اقوام کی رسومات بھی رائج ہو گئیں۔ یوں شادی بیاہ کے موقع پر ایک ایسا ثقافتی منظر نامہ سامنے آتا ہے جو پنجابی اقوام کا مشترکہ ثقافتی ورثہ ہے۔ طاہرہ اقبال نے نیلی بار میں شادی کی تقریبات میں اسی مشترکہ ثقافتی ورثے کی اقدار کی عکاسی کی ہے۔ ناول نیلی بار کے آغاز میں ہی ہمیں شادی بیاہ کے حوالے سے ایسی ثقافتی اقدار ملتی ہیں جن میں گیتوں، سٹھنیوں کا تبادلہ، شادی کے موقع پر پہننے کے لیے خاص طور پر بنائے جانے والے ملبوسات، ڈھول، شہنائیاں وغیرہ شامل ہیں جو ہماری ثقافتی روایت کا حصہ ہیں۔ طاہرہ اقبال نیلی بار کے آغاز میں پنجابی ثقافت کے اس منظر نامے کو سامنے لاتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ”لال ہرے نیلے پیلے بوچھنوں اور پراندوں میں لپٹی، مہندی اور کڑوے تیل کی خوشبو میں رچی رنگ برنگ گٹھڑیاں کچی دھول میں اوندھا دی گئیں۔ بھرائیں نے ڈھول کی تھاپ دی، شہنائی کی گونج دار چیخ تیز ہوئی۔۔۔۔ گہرے رنگ لپیٹے لڑکی والیاں سٹھنیوں کے زہر میں بجھے گیتوں کے تیروں سے لیس برات کے استقبال کو بڑھیں۔ باراتنیں اس ناگہانی حملے کے لیے تیار تھیں، جوابی سٹھنیوں سے مسلح دفاعی حصار بنا گئیں۔“(۱۴)

طاہرہ اقبال ثقافتی مظاہر کی عکاسی کرتے وقت جزئیات نگاری کو خاص طور پر سامنے رکھتی ہیں۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ ثقافتی مظاہر کڑی سے کڑی ملائے سامنے آتے ہیں۔ اگر ناول نگار ان کی عکاسی کرتے وقت کسی کڑی کو حذف کر دیتا ہے تو ثقافتی منظر نامہ کی مکمل عکاسی کرنے سے قاصر رہے گا۔ طاہرہ اقبال نے جہاں برات، سٹھنیوں کے تبادلہ اور گھڑولی بھرنے کی ثقافتی رسومات کی عکاسی کی ہے وہاں اس موقع پر کہے جانے والے مخصوص گیت بھی سامنے لاتی ہیں۔ ان گیتوں میں جوڑا گھوڑا کا گیت، چینے کا خاص گیت اور رخصتی کے وقت کے گیت اس خطے کی ثقافتی اقدار کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان گیتوں کی وجہ سے ناول کی کہانی میں اصلیت پید اہونے کے ساتھ ساتھ قاری کی دلچسپی بھی بڑھ جاتی ہے۔ ایسے ہی گیتوں کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

میرے پیر دیئے نی جتی ایئے
گل کر مطلب دی بکواس نہ کر کتیے(۱۵)

پنجابی ثقافت میں شادی بیاہ کے موقع پر کہے جانے والے ایسے گیت اور بولیاں اگر بظاہر کچھ گری ہوئی اور دوسروں کی تضحیک کا عنصر رکھنے والی بھی ہوں پھر اس ثقافتی منظر نامے میں وہ خوشی اور سرمستی کا باعث ہی بنتی ہیں۔ طاہرہ اقبال نے ان ثقافتی اقدار کی عکاسی اسی ثقافتی منظر نامے کو سامنے رکھتے ہوئے کی ہے۔

طاہرہ اقبال کے ہاں شادی کی جملہ ثقافتی رسومات کی عکاسی بڑے جاندار انداز میں ملتی ہے۔ ایک عورت ہونے کے ناتے وہ خود ان تمام تجربات سے گزری ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر میں اصلیت کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ وہ کسی بھی ثقافتی مظہر کی عکاسی کرتے ہوئے ان احساسات وجذبات کو بھی کسی حد تک قاری کے سامنے لانے میں کامیاب رہتی ہیں جو ایسے مظاہر کا تجربہ کرتے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ شادی کے موقع پر گھڑولی بھری جانا پنجابی ثقافت کا اہم جزو ہے۔ اگرچہ اب شہروں میں اس میں تغیر آچکا ہے تاہم گاؤں کی سطح پر پنجاب میں آج بھی یہ رسم کی جاتی ہے۔ گھڑولی بھری جانے کے عمل سے پنجابی ثقافت اور تہذیب کا ایسا مظہر سامنے آتا ہے جو اس خطہ کی خاص پہچان ہے اور شادی بیاہ کے موقع کے اہم عناصر میں شامل ہے۔ طاہرہ اقبال شادی کے موقع پر گھڑولی بھری جانے کے عمل کی عکاسی یوں کرتی ہیں کہ اس کا ثقافتی پہلو بھی سامنے آجاتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> ''اب دلہن کی گھڑولی بھری جارہی تھی، رنگلی جھجھری کے منہ پر لال چنری میں گڑ اور چاول باندھ کر دھرے تھے۔ گھڑولی کے گلے میں ہرے اور عنابی رنگ پھندنوں والے گانے لٹکے تھے۔ چند قدم کوئی ایک سر پر رکھ کر چلتی تو دوسری باری لینے کو اتاؤلی ہو جاتی۔ ڈھول کی تھاپ پر پورے گاؤں میں کنویں اور نلکے ڈھونڈتی پھریں۔ سات سہاگنوں نے سات پانیوں سے ست رنگے روغن والی گھڑولی کو بھرنا تھا۔''(۱۶)

ملبوسات اور زیورات کسی بھی سماج کی ثقافت اور تہذیب کے اہم عناصر ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی ثقافتی موقع ہو تو اس موقع کے لیے بطورِ خاص تیار کروائے گئے ملبوسات اور زیورات میں اس خطے کی ثقافت جھلکتی نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی ثقافتی مظاہر کے لیے تیار کرائے گئے ملبوسات اور زیورات میں ذاتی پسند کے ساتھ ساتھ اس اہم ثقافتی مظہر کے لوازمات کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے۔ طاہرہ اقبال نے شادی کے موقع پر تیار کروائے جانے والے ملبوسات اور زیورات خاص طور پر دلہن کے لباس اور زیورات کی عکاسی اس طرح کی ہے کہ ثقافتی رنگ نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک جھلک ملاحظہ ہو:

> ''تیکھی گھوڑی والی ناک میں لال ہرا موتی پروئی نتھ، دوسرے نتھنے میں بیری کے بور کی گھڑت والا لونگ اور ناک کی درمیانی ہڈی میں گھنگھریوں والا سونے کا بلاک، جو ہر سانس کے

ساتھ کھن کھن دھڑک جاتا تھا۔"(۱۷)

اس طرح جزئیات کے ساتھ عکاسی کرنے میں طاہرہ اقبال کا صنفی امتیاز بھی خاص کردار ادا کرتا ہے۔ ایک عورت ہونے کے ناتے وہ ان چیزوں کی اہمیت کو سمجھتی ہیں اور یہ شعور انھیں اس طرح گہرائی میں اتر کر جزئیات نگاری کی طرف مائل کرتا ہے۔

ثقافتی اور تہذیبی حوالے سے انسان جہاں رہتا ہے، وہاں کا اس کا گھر اور گھر سے متعلقہ دیگر چیزیں بھی اہم عنصر شمار ہوتی ہیں۔ گھروں کی تعمیر، آرائش اور دیگر لوازمات تہذیبی اور ثقافتی حوالے سے اہم ہیں۔ پنجاب کی ثقافت کا جائزہ لیں تو اس خطے میں گھروں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ آرائش میں بھی پنجابی ثقافت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ گھر بنانے اور سنوارتے وقت لوگ لاشعوری طور پر اس ثقافت کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں جس کا وہ حصہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف خطوں گھر بنانے اور سنوارنے کی ثقافتی اقدار میں کسی حد تک تغیر بھی ملتا ہے۔ اس حوالے سے نیلی بار کے خطے کا جائزہ لیا جائے تو اس خطے میں بسنے والی مہاجر اقوام کی عورتیں اس فن میں طاق نظر آتی ہیں۔ مہاجر عورتیں گھروں کی آرائش کا باقاعدہ اہتمام کرتی ہیں اور یہ کام وہ مستقل مزاجی کے ساتھ کرتی چلی جاتی ہے۔ کچی مٹی سے ماہرانہ انداز میں نقش و نگار اور بیل بوٹے بنا کر گھروں کو خوب صورت بنانے کا یہ عمل ان کی ثقافت اور تہذیب کی پہچان بن کر سامنے آتا ہے۔ طاہرہ اقبال اس کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "چولہوں کے کنگرے کناروں، تیکھی گھڑتوں سے سجاتی مہاجر نیں جن کی انگلیوں میں قدرت نے کیسی فن کاریاں سمودی تھیں جو مٹی سے خوبصورتیاں تراش لیتی تھیں۔ نفیس گھڑتوں والے اوٹے کاڑھنیاں چولہے، انگیٹھیاں، پرچھتیاں، بھڑولے، چکی کے من، تنور، صدوق اس ایک مٹی سے کیا کیا زیبائش و آرائش اور ہنر کاریاں کہ آنکھ دم بخود رہ جائے۔"(۱۸)

ثقافتی مظاہر کو تشکیل دینے میں کسی بھی خطے کے جغرافیائی اور موسمی حالات کا بھی خاصا عمل دخل ہے۔ ثقافتی مظاہر موسمی حالات سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ انھی موسمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے افرادِ معاشرہ اپنے مشاغل اور اپنی سماجی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار تشکیل دیتے ہیں جو اس خطے کا ثقافتی اور تہذیبی سرمایہ قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ثقافتی تہوار خاص موسموں سے مناسبت رکھتے ہیں۔ نیلی بار کے خطے کا تذکرہ کرتے ہوئے طاہرہ اقبال نے یہاں کے گرم موسم اور اس سے متعلقہ ثقافتی و تہذیبی امور کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ اس ناول کا حصہ بنایا ہے۔ یہ ایسا موسم ہوتا ہے جس میں کسانوں کے گھروں میں گندم کی فراوانی ہوتی ہے جو ان کے معاشی صورت حال اور مسرت میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ گندم کے آتے ہی اس کو محفوظ کرنے اور پھر

ایک نئی دھن کے ساتھ روٹی پکانے اور محفوظ کرنے کی چیزیں تیار کرنے، گھروں کو سجانے سنوارنے اور خوشی کے اظہار کے انداز سامنے آنے لگتے ہیں۔ طاہرہ اقبال ان کی عکاسی یوں کرتی ہیں:

> ''تب لڑکیاں کھجور کے پتے کچے لال ہریالے رنگوں میں رنگ کر چنگیریں اور چھکو بناتی ہیں۔ سوت کے گوڑھے اور تو مبی ہوئی روئی کی پونیاں محفوظ رکھنے کو ڈھکن والی پٹاریاں، گندم کے شوخ رنگ ناڑ سے بنتی ہیں۔ سگریٹ کے پنوں سے سجاوٹی پھول بنا کچی دیواروں پر نیل ملا پوچا پھیر کر سجاتی ہیں۔ گوبر بھوسہ ملا چکنی مٹی گوندھ گوندھ کوٹھے لیپتی اور صحن میں پکی تلن دیتی ہیں۔''(۱۹)

یہاں ظاہر ہو رہا کہ یہ تمام ثقافتی اور تہذیبی امور گندم کے گرم موسم سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ طاہرہ اقبال نے امور کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ اس خطے کے ثقافتی رنگ نکھرتے چلے گئے ہیں۔

ثقافتی اور تہذیبی اقدار کے حوالے سے کسی بھی سماج میں نام اور نام رکھنے کا عمل خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گھریلو سطح پر ہونے والی نوک جھونک بھی اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف گھروں میں روا رکھی جانے والی بعض پابندیاں بھی تہذیبی منظر نامے کی عکاسی کرتی ہیں۔ پنجاب کی ثقافت کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ اصل نام کی بجائے کسی دوسرے عرف سے پکارا جانا عام روش ہے۔ ناول نیلی بار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طاہرہ اقبال کی اس تہذیبی پہلو پر بھی خاص نظر ہے۔ انھوں نے جن مہاجر عورتوں یا دیگر پنجابی عورتوں کا ذکر کیا ہے، ان کے اصل نام کی بجائے سماج میں پکارے جانے والے ان کے عرف مثلاً فاطی، جٹی، گجری، نگو آرائین، جیا کمہاری وغیرہ کو زیادہ استعمال کیا ہے۔ طاہرہ اقبال ان ناموں سے پکارے جانے والی لڑکیوں کو بھی تہذیبی اور ثقافتی اقدار کے بندھن میں بندھا دکھاتی ہیں کہ ان کی ساری زندگی ایک ہی ڈگر پر گزرتی چلی جاتی ہے۔ طاہرہ اقبال ان لڑکیوں کی جوانی کے مشاغل بھی بڑی بے باکی سے پیش کرتی ہیں۔ انھوں نے جو انداز بیان اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنجاب کی اصل تہذیب اور ثقافت میں رچی بسی یہ لڑکیاں جوانی کی عمر بہت کم رکھتی ہیں۔ زندگی کا ابتدائی حصہ بچپن کے کھیل کود جس میں کھیل کود کم اور سینا پرونا، کھانا پکانا سیکھنا زیادہ ہوتا ہے، میں گزر جاتی ہے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے کسی سے تعلقات استوار ہونے کی نوبت ہی آتی ہے تو بیاہ دی جاتی ہیں جس کے بعد بچوں کی کثرت اور سسرال والوں کی خاطر مدارت کرنا ہی ان کی زندگی کا نصب العین اور ان کی بنیادی ذمہ داری ٹھہرتی ہے۔ سسرال میں بھی طرح طرح کی پابندیاں اور خاص طور پر ساس بہو کا روایتی تعلق بھی سامنے آتا ہے۔ طاہرہ اقبال نے اس تہذیبی و ثقافتی تناظر کو بھی نیلی بار میں نمایاں کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"یہ ابھی بھی ساسوں کے طعنوں کے تکلوں میں پروئی جاتی ہیں۔ مشقت کی چلم میں سلفے کی لات کی دکھا کر جل بجھتی ہیں۔ یہ ابھی بھی آٹے کی ڈرمی کو، گڑ کے کنستر کو ساس کی پیشگی اجازت کے بغیر چھو نہیں سکتیں۔ یہ شوہر کی فالتو توانائیوں کے نکاس کی بدروئیں تو ہیں لیکن ان کی کمائیوں کی کسی چھینٹ کی مستحق نہیں ہیں۔"(۲۰)

طاہرہ اقبال نے رشتوں ناتوں کی صورت حال کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ وہ کسی ایک خاص گھر یا فرد کی بجائے مجموعی سماج کا تہذیبی بن کر سامنے آتے ہیں۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پنجابی گھرانوں میں نئی بہوؤں کو ایسی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور جہاں تک ساس کے طعنوں کا تعلق ہے تو وہ اب خاص طور پر پنجاب میں تو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ طاہرہ اقبال نے سماج کے اس تہذیبی و ثقافتی تناظر کو بڑی وضاحت اور اصلیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے خود اس خطے اور خطے کی ان تہذیبی اقدار کا تجربہ کیا ہے اور اس میں زندگی کو بیتا ہے۔ یہ تجربہ ان کے تخیل کے ذریعے تخلیقی عمل کا حصہ بن کر اصلیت کو ظاہر کرتا چلا جاتا ہے۔

ثقافتی حوالے سے کھانا اور کھانے کے لوازمات بھی کسی خطے کے ثقافتی منظر نامے کے عکاس ہوتے ہیں۔ کھانے میں عام زندگی کے معمولات سے لے کر خوشی، غمی کے موقع پر پکائے جانے والے مخصوص کھانے اور کھانا پیش کرنے اور کھانے کے عمل سے بھی تہذیبی و ثقافتی اقدار سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ ناول نیلی بار کا مطالعہ کرنے سے قاری اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ طاہرہ اقبال نے اس خطے کے ماکولات و مشروبات کی عکاسی بھی خوب کی ہے۔ جس کی جس کی وجہ سے یہ ناول اس خطے کا تہذیبی و ثقافتی نقشہ بڑی کامیابی سے کھینچتا نظر آتا ہے۔ نیلی بار کے کھانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے طاہرہ اقبال لکھتی ہیں:

"آج بکرا ذبح ہوا تھا، دیسی گھی کی تری والا مرچیلا شوربا نائی نے دیگ میں پکایا تھا۔ باداموں، میووں، کھویوں والی کڑاہی یعنی سوجی کا حلوہ گھر میں تیار ہوا تھا۔ لال ہرے گاڑھے رنگ والے دسترخوان، چھابیاں، تنوری روٹیوں بھرے چھکو، نوکرانیاں، باہر خبردار کھڑے نوکروں کے ہاتھوں میں پہنچا رہی تھیں۔ تام چینی کی پلیٹیں، کانسی اور پیتل کے چترکاری والے گلاس کمنڈل مونگر، سرساہیاں، باہر ڈھو رہی تھیں۔"(۲۱)

اس اقتباس پر غور کریں تو ایک ایک عمل سے پنجابی ثقافت جھلکتی نظر آتی ہے۔ کھانا پکانے کے لیے نائی کا دیگ چڑھانا، اور حلوہ گھر میں خود پکایا جانا، پھر اس سے آگے بڑھتے ہوئے کھانے کے برتن جن میں چنگیریں،

چھابیاں، چھکو اور پھر کانسی کے چترکاری والے برتین سب کے سب پنجابی تہذیب وثقافت کے عکاس بن کر سامنے آتے ہیں۔

پنجاب ایک زرعی خطہ ہونے کے ناتے زراعی فصلوں کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ زرعی فصلیں ایک طرف اس خطے کے باشندوں کے روزمرہ امور اوران کی معاشی حالت میں سدھار لاتی ہیں تو دوسری طرف ثقافتی حوالے سے بھی ان کی اہمیت ہے۔ فصلوں کی بجائی اور کٹائی کے موسم میں خاص تہوار پنجابی ثقافت کا اہم حصہ ہیں۔ ان فصلی تہواروں کے موقع پر پنجابی ثقافت کے رنگ خاصے نمایاں انداز میں نظر آتے ہیں۔ سال بھر کھیتوں میں مصروف رہنے والے کسان اور ان کے گھر والے ان فصلی تہواروں کے موقع پر یوں ثقافتی رنگ بکھیرتے نظر آتے ہیں جیسے انھوں نے اپنی محنت کا پورا پھل پالیاہو۔ ان فصلی ثقافتی تہواروں کے موقع پر دیگر علاقوں کے لوگ بھی ان تہواروں سے معاشی فائدہ اور مسرت حاصل کرنے کی خاطر ایسے علاقوں کا رخ کرتے ہیں جہاں یہ تہوار منعقد ہورہے ہوتے ہیں۔ یوں پنجاب کا ثقافتی منظرنامہ نکھرتا چلا جاتا ہے۔ طاہرہ اقبال نے ناول نیلی بار میں پنجاب کے ثقافتی منظرنامے کے اس پہلو کو بھی نمایاں کیاہے۔ ایک ایسے ہی فصلی تہوار کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

> ”سال میں بس ایک بار اسی کپاسی موسم میں یہاں فصلی دکانیں سجائی جاتی تھیں، پکوڑے، سموسے، آلو کی ٹکیاں عجب خوشبوئیں چھوڑتیں۔ یہ انوکھے ذائقے صرف کپاس کے موسموں میں یہاں مہکاریں مچاتے انت ڈال دیتے۔۔۔۔ منیاری اور کپڑے والے ڈیرے ڈال دیتے۔ چھینٹ، کیمرک، ٹویرا، کے ٹی، ساٹن، دل پیاس، خوشابی لنگیاں، سفید پگڑیاں، کیسے کیسے خوش رنگ ڈیزائن۔“(۲۲)

اس سے ظاہر ہوتاہے کہ طاہرہ اقبال کے ناولوں میں پنجابی ثقافت کے رنگ بڑی آب وتاب سے چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ پنجاب کے باسی ہونے کے ناتے انھوں نے اس خطے کی ثقافت کو اپنے ناولوں کا موضوع بناتے ہوئے دھرتی سے وابستگی کا حق بھی ادا کیاہے اور اردوناول کے ثقافتی تناظر کو وسعت دینے کا سبب بھی بنی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ المنجد، الاشاعت، کراچی: اردو بازار، جولائی ۱۹۷۵ء، ص ۳۷۸

۲۔ مصباح اللغات، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ، مارچ ۱۹۸۲ء

۳۔ جمیل جالبی، پاکستانی کلچر، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۵ء، ص ۴۲

۴۔ Oxforf English dictionary جلد دوم، لندن: آکسفورڈ، کلرینڈن پریس، ۱۹۶۱ء، ص ۱۴۸۲

۵۔ ایڈورڈ بی۔ ٹیلر (Edward B.Tylor)، Primative Culture, شمارہ نمبر ا، لندن: جان مرے لمیٹڈ، ۱۸۷۱ء، ص ا

۶۔ آر لنٹن (R. Linton)(مرتبہ) The Science of Man in the world crisis، کولمبیا یونی ورسٹی پریس، ۱۹۴۵ء، ص ۱۴

۷۔ ایس ایم یوسف، اسلامک کلچر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر، ۱۹۷۸ء، ص ا

۸۔ ایس ایم یوسف، اسلامک کلچر، ص ا

۹۔ طاہرہ اقبال، گراں، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، ص ۱۵

۱۰۔ طاہرہ اقبال، گراں، ص ۴۵

۱۱۔ طاہرہ اقبال، گراں، ص ۵۱

۱۲۔ طاہرہ اقبال، گراں، ص ۲۶

۱۳۔ طاہرہ اقبال، گراں، ص ۳۱

۱۴۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص ۱۱

۱۵۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، ص ۱۲

۱۶۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، ص ۲۵

۱۷۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، ص ۲۵

۱۸۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، ص ۲۶۹

۱۹۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، ص ۱۷

۲۰۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، ص ۳۸۴

۲۱۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، ص ۲۸۷

۲۲۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، ص ۲۹۰